وفا راشدی

لعل قلندر شہباز سیوہانی کی شاعرانہ عظمت

غوثِ اعظم دلیلِ راہِ یقیں — بالیقیں رہبرِ اکابرِ دین
اوست در جملہ اولیاء شہبازؔ — چوں پیمبر در انبیاء ممتاز

مشہور و ممتاز عالم دین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے ایک قصیدے میں حضرت لعل قلندر شہبازؔ کی خدمت میں اس انداز سے خراج عقیدت پیش کیا ہے جس سے اکابرِ دین اور اولیائے عظام میں شہبازؔ کی عارفانہ عظمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے لیکن شہبازؔ سے متعلق اب تک ارباب علم و فکر کے جو افکار و خیالات منصۂ شہود میں آئے ہیں ان کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ حضرت شہبازؔ کی عظمت کے بارے میں بہت روشنی ڈالی گئی ہے اور جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے آپ کے شاعرانہ مقام کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شہبازؔ نہ صرف ایک سالک کامل اور عارف عامل کی حیثیت سے بلند مرتبہ رکھتے تھے بلکہ ایک شاعر اور مفکر کی حیثیت سے بھی ان کا مقام بہت بلند تھا۔ وہ جس پایہ کے صاحب علم و فضل اور صاحبِ تصوف و معرفت تھے اسی پایہ کے معلم و مقرر اور شاعر و ادیب بھی تھے۔ عربی و فارسی علوم و ادبیات پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ قرآن، حدیث، فقہ اور ماہر قواعد زبان بھی تھے آپ کی

سبھی کتابیں[1] مدرسوں کے نصاب میں شامل رہیں ۔ جن میں عقد، اجناس، میزانِ صرف ، صرفِ صغیر قسم دوئم وغیرہ مشہور ہیں ۔

آپ کا اصل نام سید عثمان : عرفیت لعل شہباز قلندر ، لقب سیف اللسان ، شمس الدین مخدوم و مہدی تھا ۔ عثمان ، شہباز اور راجا تخلص کرتے تھے ۔ عربی و فارسی میں شعر کہتے تھے ۔

یہ وہ دور تھا جب سندھ میں سومرہ خاندان برسرِ اقتدار تھا ۔ برصغیر پاک و ہند شیخ عبدالقادر جیلانی ، سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء ، شیخ فیض بخش عرف داتا گنج بخش لاہوری ، شیخ جلال الدین تبریزی ، قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ، شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر پانی پتی ، شیخ فرید گنج شکر (پاک پٹن) اور شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی جیسے مشائخ دین اور اولیائے کبار کے علم و عرفان اور روحانی فیضان کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں ۔ کفر والحاد ، جبر و استبداد کی ظلمتیں توحید و رسالت ، حقیقت و معرفت کی روشنی سے چھٹ رہی تھیں ۔ حضرت عثمان شہباز ، افغانستان و ایران کے بعض شہروں مثلاً بخارا ، سمرقند ، شیراز وغیرہ بھی تشریف لے گئے ۔ حافظ شیرازی ، شیخ سعدی ، فرید الدین عطار ، اور مولانا جلال الدین رومی وغیرہ جیسے یکتائے روزگار اربابِ علم و فکر بقید حیات تھے ، ممکن ہے کہ ان حضرات سے بھی حضرت شہباز کی ملاقاتیں ہوئی ہوں گی ۔ یہ زمانہ عربی و فارسی ادبیات کے عروج کا زمانہ تھا ۔ سندھ میں عربی و فارسی کے زیرِ اثر سندھی زبان نشو و نما پا رہی تھی ۔

لیکن سیاسی لحاظ سے شہباز کا وہ زمانہ برصغیر میں ذہنی خلفشار اور روحانی انتشار کا زمانہ تھا ۔ تاتاریوں نے اہلِ ہند کے اسلامی عقائد اور دینی اقدار کو پاش پاش کر دیا تھا ۔ فضا پر لادینیت و توہم پرستی کی کیفیت طاری تھی ۔ ابہام و توہمات اضطراب و انقلاب کے پرآشوب اثرات نے دلوں میں بے کیفی ، بے چینی ، بے بسی مایوسی کی لہر دوڑائی تھی ۔ ایسی تیرہ و تاریک حوصلہ شکن ماحول و معاشرے میں مولانا رومؒ متوفی $\frac{672}{1273}$ کی غیر فانی مثنوی کی تخلیق ہوئی ۔ مثنوی رومؒ شعر و معرفت

---

[1] راجہ اصل میں شیخ عثمان جالندھری کا لقب ہے ۔ نہ کہ شیخ عثمان مروندی کا ۔ (ادارہ)

اسرار دین اور علم الکلام کا حیات آفریں مرقع ہے یہ وہ زندگی آموز کتاب ہے جس کا درجہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی کے بعد بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ انہیں ایام میں حافظ و سعدی کے چراغ جلے، عطار و صائب نے بھی نغمہ سرائی کی۔

حضرت عثمان مروندی عرف لعل شہباز قلندر نے بھی اسی عہد میں نہ صرف اپنی عارفانہ تقریر و تحریر سے بلکہ صوفیانہ شاعری کی ضیاپاشی سے بھی ایک عالم کو روشن ایک جہاں کو منور کیا۔ آپ اُن مشائخ دین میں سے تھے جنہوں نے پیہم عمل مسلسل جدوجہد لواتر عزم و استقلال کا عملی پیغام دیا۔ شہباز کے نزدیک زندگی خالق دوجہاں کی وہ مقدس امانت ہے جس کو حسن و جمال کا دلکش و دلنواز روپ دینا فرائض انسانی میں شامل ہے۔ زندگی کی رعنائیوں، لطافتوں، کشش و دلکشی سے لطف اندوز ہونا ہر انسان کا حق ہے لیکن یہ حق سہل انگاری، عافیت و آرام، سست روی خلوت پسندی یا گوشہ نشینی سے حاصل ہو سکتا ہے نہ مراقبے میں بیٹھ کر کشف و الہام کے ذریعے بلکہ اسی کے حصول کے لئے تمام نشیب و فراز اور محنت و نسبت کے مرحلوں سے گزرنا بھی لازمی ہے۔

شہباز نے زندگی کے ان مقاصد کے حصول کی خاطر صعوبتیں جھیلیں۔ اپنی زندگی کو "شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک" کے مصداق تج دیا۔ حقیقت و معرفت کی جستجو، جلوۂ کائنات، مظاہرِ قدرت اور اشیائے فطرت کے اسرار ہائے دروں و بیروں سے واقف و باخبر ہونے کی خاطر دور دراز ملکوں کی سیر و سیاحت کی شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، جلال الدین تبریزی، بوعلی قلندر، جیسے عالی مرتبت سالکین، عارفین، صالحین کی صحبتوں اور محفلوں سے فیضیاب ہوئے اُس عہد میں ملتان، سندھ کا ایک حصہ تھا اور اپنی دینی و علمی خدمات کی بدولت علما

لہ شہنشاہ ہند سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ء - ۱۲۸۶ء) تخت دہلی پر رونق افروز تھا اور اس کا ولی عہد سلطان محمد قاآن خان شہید ملتان کا گورنر تھا۔ (تاریخ ہند و پاکستان از سید عبد القادر)

و روحانی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ حاکم ملتان خان شہید حضرت شہباز کی علمی و ادبی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے آپ کے لئے ایک خانقاہ بنوائی اور وہاں سکونت کی درخواست کی۔ لیکن آپ خانقاہ نشین بزرگوں میں نہ تھے آپ کے نزدیک حیاتِ انسانی کا مقصد بہت بلند، بہت وسیع و وقیع تھا۔ وہ فرسودہ خیالات جمود آمیز و غیر متحرک زندگی کو موت کے مترادف سمجھتے تھے۔ فکری، معاشرتی، تمدنی اور دینی نظام میں جدید اسلوب کے ساتھ تغیر و تبدل کے حامی، خواہاں اور مبلغ تھے۔ انسان اور انسان کی زندگی کو خالق و مخلوق، عابد و معبود، ساجد و مسجود، ذات و کائنات پر ضیا پاشی کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے خانقاہ یا آستانہ میں نظر بند ہو کر پند و واعظ کو شعار بنانا ملت اسلامیہ کے لئے مفید نہ جانتے تھے آپ نے دیس دیس قریہ قریہ کی سیر کی جہاں گئے وہاں ہر چھوٹی بڑی چیزوں کا مطالعہ کیا۔ ریگ زاروں، سبزہ زاروں، کوہساروں اور ان کی وادیوں کا مشاہدہ کیا۔ حدِ نظر تک جلوہ ہائے رنگا رنگ کی اصلیت و ماہیت کی کھوج لگانے میں زندگی کا بیشتر حصہ صرف کر دیا۔ اس طرح تجربات و مشاہدات کے آئینے میں، علم و آگہی کی روشنی میں فلسفۂ تصوف و نظریۂ توحید کی تشکیل کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شہبازؒ مولانا رومی کی دینی تعلیمات اور اسلامی رجحانات سے متاثر تھے۔ شاعری میں آپ نے کسی حد تک رومی سے استفادہ بھی کیا ہے اور ان کا اتباع بھی۔ عشقِ مجازی کی خارجی کیفیتوں سے گزر کر عشقِ حقیقی کی روحانی لذتوں سے سرشار و بدمست ہونا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ منزل بڑی مشق و ریاضت اور ایثار و ابتلا کے بعد میسر آتی ہے۔ بقول مولانا روم ؎

لے حضرت قلندر شہباز مولانا رومی کے ہمعصر تھے۔ عصر حاضر میں جس شاعر نے فلسفۂ رومی کے نکتہ عروج کو چھوا ہے وہ شاعر ملت علامہ اقبال ہیں ؎

پیر رومی را رفیقِ راہ ساز   تا خدا بخشد ترا سوز و گداز   (ر۔د)

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں — چوں بہ عشق آیم خجل باشم ازاں
گفتہ او گفتۂ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
ہر نفس آوازِ عشق می رسد از چپ و راست — ما بہ فلک می رویم عزم تماشا کراست

افکار و مطالبِ مثنوی روم کی طرح شہبانہ کے فلسفۂ عشق میں جو سوز و گداز ذوق و شوق، بیخودی و سرمستی، تڑپ و جستجو ہے وہ معراجِ عشق کی دلیل، خودی و خود آگہی، خداشناسی و خداپرستی کا آئینہ دار ہے ؎

خودی کفرست اگرچہ پارسائی صد ہزاراں است — خدارا آشکارا درمیانِ بیخوداں دیدم
ز عشقِ دوست ہر ساعت دروں نار می رقصم — گہے بر خاک می غلطم گہے بر خار می رقصم
شوم بدنام در عشقش بیا اے پارسا ہم بیں — نمی ترسم ز رسوائی سرِ بازار می رقصم
من بندہ خدایم، ہم شاہ و ہم گدایم — ہم وصل ہم جدایم مستِ الست ہستم
من مرغ لامکانم سیر لامکاں ندانم — بر تختِ قدسیانم، مستِ الست ہستم
آں رہ کہ قدسیاں را دشوار محنت آید — از فکرِ حق تعالیٰ آساں شدست مارا
براق لاابالی مارا بزیر داں ہست — صحرائے لایزالی، میداں شدست مارا
بتخانۂ جہاں را بسیار سیر کردیم — آئینہ خود پرستی ایماں شدست مارا
اوصافِ ذات خود را ایزد بداد مارا — با ذوق ایں معانی عرفاں شدست مارا
دریائے بے نہایت پایاں کجاست او را — بنگر بغیر کشتی پایاں شدست مارا

شہبانہ کا عشق، کیف و جنوں اور جذب و سرشاری کی بے پناہ قوت رکھتا ہے ان کے پاس خدا کا تصور عقل و فہم کے عین مطابق ہے۔ عاشق عزم و ہمت کا دامن نہیں چھوڑتا اور رشتۂ محبوبی کی استواری میں دیوانہ وار گزر جاتا ہے۔ مقامِ عشق کی اس منزل پر عاشق و محبوب کی رفاقت عرفانِ ذات ہی گم کر دیتی ہے۔ وہ نہ صرف اسرارِ عاشقی سے وابستگی محسوس کرتا ہے بلکہ بشریت کی اعلیٰ قدروں کی منزل پر نظر آتا ہے ؎

ہمت بلند باید عشاق مست مے را — مردِ خسیس ہمت زر عاشقاں نگنجد

در دو عالم عاشقاں را جز خدا مقصود نیست | در شہود چشم ایشاں غیر وی مشہود نیست
عاشقاں را در دو عالم جز خدا محبوب نیست | پیش مجنوں ہیچ کس جز نقش لیلیٰ کے بود؟
بغیر عشق نبود فہم کردن سر آں دلبر | کمال عشق باید در میاں خاصگاں دیدم
عاشقاں را ذرۂ ای نورش چہ آید در نظر | عاشق سرمست را دیوانگی از سر گرفت
سرمست او شیدا بود آزردہ و رسوا بود | از خویش ناپیدا بود عاقل نیاید فانیما
در عقل نگنجم کہ آں نور خدائیم | در فہم نیائیم کہ بے نام و نشانیم

حافظ شیرازی نے شانِ قلندری اور فلسفہ حیات کا رخ پیش کیا ہے۔ شہبانہ قلندر اس کے ایک ہیک جمال تھے حافظ کہتے ہیں سے

بر در قلندر رندان قلندر باشند | کہ شناسند رموز افسر شاہنشاہی

دیوان حافظ شعر نغمہ اور سرمست وعرفان کا حیات آفریں مجموعہ ہے اس قسم کے اشعار سے ان کا کلام مملو ہے سے

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمی بما کنند

شہبانہ قلندر کے فانوس غزل نے حافظ کی شمع افکار سے بھی روشنی پائی ہے [۱] زبان وبیان، طرز واسلوب کے اعتبار سے حافظ کے ہم کلام معلوم ہوتے ہیں عشق شراب ساقی، جام، مینا، میخانہ، ہوش، مدہوشی، مستی، سرمستی، جمال وجلال وغیرہ الفاظ حافظ کی طرح کثرت سے ملتے ہیں۔ شہبانہ میکدۂ حق میں بادۂ عشق کی مستی وبیخودی کو معراج عشق سے تعبیر کرتے ہیں۔ میکشی و مدہوشی اپنے محبوب حقیقی کے وصل اور قربت کی لذتوں سے ہمکنار کرتی ہے بلکہ عالم مستی میں راہِ عشق کی حقیقتوں سے آگاہ کرتی ہے سے

ایا عثمان مروندی چرا مستی دریں عالم | بجز مستی و مدہوشی دگر چیز نہ دانستم
زمنم بعرش اکبر خوردم شراب اطہر | واصل شدہ وصالم مست الست ہستم
آیت نمی بخیرم نماید کند گریہ ام | نوشم و ناستیہم مست الست ہستم

[۱] یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شہباز، حافظ سے پہلے کا ہے۔ (ادارہ)

جامِ زعشق نوشم دنیا و دیں فروشم — جز ایں دگر نہ گوشم مست الست ہستم
دریا شراب آرم در دل فرو سپارم — بے مئے بقا ندارم مست الست ہستم
در کوئے میفروشاں عشاق جام نوشاں — افتادہ ستیز جوشاں مست الست ہستم
زاہد ز مئے گہ نبرد عابد ز مئے ستیزد — سرمست مئے پرستد مست الست ہستم
رنداں فراغ وشانز د در مست مغاں — آیند مے پرستاں مست الست ہستم
چوں بخوردم آں شراب لم یزل اندر دست دوست — بعد خوردن جاں گہی مست و گہی ہشیار شد
بادست خود پیالہ دانی چہ ذوق دارد ؟ — با ذوق آں پیالہ باغ جناں نگنجد
اندر صراحی جام ما جام مئے ایمان ما — جاناں بود مہماں ما عاقل نیاید فاینما

اہلِ صفا سماع کو معراج الروح کہتے ہیں - ان کے نزدیک حالات وجد کے کئی مدارج ہیں - ان مراحل سے گزر کر ہی اہل دل اہل باطن دردِ عشق کے انوار اور اسرار سلیمانی سے آشنا ہوتے ہی من کی دنیا میں ڈوب کر اللہ کی ذات میں ضم ہو جانے سے انسان اپنی حیات اور خدائے ثبات کا سراغ لگاتا ہے - عالم وجدانیت میں انسان کی روح خدا کی روح میں جذب ہو جاتی ہے یہ جذب و کرب کلام کیف وعرفان میں غرق یابی سے میسر آتا ہے - مگر یہ عمل فلسفۂ تصوف کا کل نہیں ایک جزو ہے - یہ جزوی عمل بعض صوفیائے کرام کے نزدیک صائب ہے، بعض کے نزدیک اختلافی بلکہ ممنوع - شہبانہ قلندر اس مکتبۂ فکر کے قلندروں سے تعلق رکھتے تھے جن کے ہاں محفل سماع اسلامی عقائد اور دینی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت کا ایک موثر ذریعہ اور خود اپنی تسکین روح کے لئے پاکیزہ جذبہ تھا - سلسلہ چشتیہ و قادریہ کے بزرگان دین جو کیف آمیز سرور کے بڑے شیدائی تھے - ان کے زمانے میں عام موسیقی کی اجتماعی سرپرستی سے اس فن کی ترقی و ترویج ہوئی - محفل سماع میں لوک گیتوں نے جنم لیا - سندھ وپنجاب کی کافیاں سابق مشرقی پاکستان کے معرفتی و سرشوی گیت صوفیانہ خیالات و موضوعات کے آئینہ دار ہیں عوام میں روح کی بیداری اور تکویب کی صفائی میں لوک سنگیت کا خاص حصہ رہا ہے -

حضرت شہبازؔ سماع کی محفلوں میں اپنے ہم مشرب فقیروں، درویشوں کے ساتھ عربی و فارسی کلام رقت آمیز لہجے اور سحر انگیز آواز میں پڑھتے تھے اکثر اپنا کلام بھی عالم محویت و بیخودی میں سناتے تھے ؎

بیا اے مطربا فی سماع شوق در دل وہ | کہ من در شادی وصلش قلندر وار می رقصم
مرا مخلوق می گوید گدا چنداں چہ می رقصم | بدل داریم اسرارے ازاں اسرار می رقصم
خلائق گر کنند بر من ملامت زیں سبب ہر دم | نگہ نازم بریں ذوقے کہ پیش یار می رقصم
اگر صوفی شدم یارم بیا تا خرقہ پوشم | اگر زنار بر بستند وراں زنار می رقصم
منم عثمان مروندی کہ یار خواجہ منصورم | ملامت می کند خلقے کہ من بر دار می رقصم
دیدار حق تعالیٰ درمان درد ماشد | دیدہ بغیر بینا ہرمان شارست مارا
رقصیم برقصیم کہ خوباں بھمانیم | نازیم بنازیم کہ در عین عیانیم
نہ آبیم نہ بادیم نہ خاکیم و نہ آتش | مائیم بہر صورت و ماکون و مکانیم
براق سواریم نیازیم بلا ملحت | کس باک نداریم ز اغیار برانیم
ہژدہ ہزار عالم یکساں ست در وصالیم | ایں شد کمال حالم مست الست ہستم
ساجا کہ نور حقیم در ذات محض غرقیم | اندر میاں نہ فرقیم مست الست ہستم
شہباز پر بہ ہم وار خویش گذشتیم | با دوست ہمانیم و بے دوست ندانیم
دانید چہ ذاتیم؟ واز اوصاف جدائیم | ہر وصف کہ خوانیم بتحقیق ہماں ایم
بیباک رسیدیم بمیدان محقق | ہر دار بگیریم و دریائیم
پروانہ بہ لاہوت بکردیم و رسیدیم | دیدیم تماشا کہ چہ مائیم
راجا بہ خدا عشق خریدیم و مقیم | رقصیم و نیازیم کہ بر راہ بقائیم

شہبازؔ نے خدا اور انسان کے رشتہ محبوب کو اسلامی نظریات و جہات کے آئینے میں دیکھا ہے ان کا فکری و ذہنی دائرہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی روشنی سے تاباں و درخشاں نظر آتا ہے۔ وحدت الوجود، وحدت و کثرت ہمہ اوست، از ہمہ اوست جیسی صوفیانہ اصلاحوں کو منفرد انداز، دلکش و سادہ

اسلوب میں ڈھال دیا ہے ۔ وہ وحدت وکثرت کی نیرنگیوں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں اور حیات وکائنات کے اسرار والوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں ۔ ان کے ہاں تصوف کے یہ افکار و نظریات جدید اسلامی معاشرے اور دینی رجحانات کے عکاس ہیں ؎

ہمچو در لباس صوف باش — با صفت ہائے خدا موصوف باش
دوئی از سر بدر کردم یکے دیدم دو عالم را — یکے بینم یکے جویم یکے دانم یکے خوانم
گہے قرآں می خوانم گہے زنار می بیدم — گہے در مذہب ترسایاں گہے محنت کشید استم
ایا لا ساکن ظاہر بر اسرار ہر واں را — نمی دانی نہ دانستی کہ سر اللہ بود استم
مائیم عین وحدت آزاد ہم نہ کثرت — باشد نہ ہیچ ملت مستِ الست ہستم
درمیاں عارفاں سر نہاں یافتم — ہر کراں جستہ بودم عین خود را یافتم
کور مادرزاد ہرگز می نہ بیند آفتاب — صد ہزاراں شکر واجب چشم بینا یافتم
چوں وجود کس نباشد بالحقیقت جز خدا — آں وجود عین سابق عین خود را یافتم
ہمہ وحدت ہمہ کثرت نہ کثرت ہم ہمہ وحدت — ولیکن اختلافش درمیاں حکم آں دیدم

یہ جہانِ رنگ و بو چند روزہ ہے اس کائنات بے ثبات میں کسی چیز کو بقائے دوام نہیں ۔ انسان بھی دارالفانی سے دارالبقا کی راہ لیتا ہے ۔ صرف ایک اللہ کی ذات ہے جو ابد سے ہے ابد تک رہے گا ۔ شہباز نے اس نکتے کو شعر کی لہجے میں یوں بیان کیا ہے ؎

فانیست ہمہ چیز کہ ایں دار بقا نیست
بر دار دل خویش کہ ایں جائے وفا نیست

اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی تارک الدنیا ہو کر تخلیق دنیا کے مقاصد وعوامل سے یکسر بیگانہ و بے نیاز ہو جائے ؎

ترک دنیا شد عبادت حب دنیا شد خطا
آں جمالی نازنیں بے ترک دنیا کے بود؟

اسلام ایک ضابطۂ حیات ہے۔ پوری دنیا میں یہ واحد مذہب ہے دنیا سے الگ رہ کر نہیں بلکہ دنیا کی سوسائٹی میں ضم ہو کر دینوی و دنیاوی فرائض سے عہدہ برآ ہونے کا درس دیتا ہے یہ دنیا تاریکی و روشنی، اندھارا، اجالا، دکھ سکھ دھوپ چھاؤں، راحت و کلفت، لطافت و کثافت، خیر و شر، نشیب و فراز عبادت و خدمت وغیرہ جیسے عناصر ترکیبی سے وجود میں آئی ہے۔ ان حقیقتوں کے کسی ایک جُزو سے فرار منشائے الٰہی اور رضائے مشیت سے بغاوت کے مترادف ہے۔ اللہ کے نزدیک وہ انسان کامل و کامیاب ہے جو ان تمام ذمہ داریوں اور عوامل و کوائف کو چشم بینا سے دیکھتا اور خلوص و لگن کے ساتھ خدمت و عبادت کی منزلوں سے گذرتا ہے۔ عبادت بغیر خدمت کے یا خدمت بغیر عبادت کے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے ایک عارف کامل کی نگاہ میں ـــــ عبادت بجز خدمتِ خلق نیست۔

مزید برآں؛ اسلام نے حصول علم کو اس لئے فرض قرار دیا ہے کہ انسان حیات و کائنات کے ظاہری و باطنی علوم و نکات کی واقفیت سے ان تمام نیرنگیوں اور رعنائیوں سے استفادہ کرے جو خدائے واحد کی ذات و صفات کی مظہر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو حسن زندگی کی تکمیل کے لئے عقل و فہم، صلاحیت و ادراک جیسی نعمتیں عطا کی ہیں۔ اس لئے کہ مناظر قدرت اور اشیائے فطرت کی دلفریبیوں سے زندگی میں حسن و کسک کا رنگ بھرنا عین مقصدِ حیات ہے۔ ان اللہ جمیل و یحبُّ الجمال

شیخ سعدی کہتے ہیں ؎

که گفت بر رخِ زیبا نظر خطا باشد ـــ خطا بود که نه بیند روئے زیبا را

شہبانہ سائیں کا ارشاد ہے ؎

درست ندارم سنگِ من ـــ باکس ندارم جنگِ من
باکس نگیرم تنگِ من ـــ زیرا خوشم چو گلستاں

در روئے خوبریاں دو چشم مست سناں — دیدم جمال سلطاں مست الست ہستم
صحرائے غیب رفتم — رازے کہ بود گفتہ مست الست ہستم
دلبر بگفت راجا دائم تو باش ایں جا — با ما تو باش کجا مست الست ہستم

فطرت و کائنات کا ہر ذرہ مظہر نورِ خدا ہے سمندر کا طول وعرض، پہاڑوں کا سلسلہ لامتناہی، زمینوں کے نشیب و فراز، وسیع و عریض آسمان پر ستاروں کی چمک دمک، شمس و قمر کی ضیا پاشی، پھولوں کی مہک، غنچوں کی چٹک، درختوں کے سائے، پھلوں سے لدی ہوئی شاخیں، شمع و پروانہ کا سوز، یہ سب صنائع قدرت کے ثنا خواں ہیں۔ شہباز نے دنیائے تصوف میں ان جلوہ ہائے رنگا رنگ کا کس والہانہ انداز سے نظارہ کیا ہے اس کی جھلک دیکھئے ؎

گہ شمس گہ گردو قمر گہ تخم گردو گہ شجر — گہ شاخ گہ گردد ثمر در ہر سرا سرے ببیں
گہ صید گہ دانہ شود گہ زلف گہ شانہ شود — گہ شمع و پروانہ شود در ہر سرا سرے ببیں
گہ نور گاہے نار شد گہ یار گہ اغیار شد — گہ خفتہ گہ بیدار شد در ہر سرا سرے ببیں
کوتاہ کن راجا زباں یک نور را بنگر عیاں — ہم خود شدہ جملہ جہاں در ہر سرا سرے ببیں

حضرت قلندر شہباز تاریخ اسلام اور اسلامی دنیا پر عمیق نظر رکھتے تھے۔ انبیائے کرام اور اکابر دین کی زندگی و شخصیت اور ان کے افکار و نظریات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ جہاں وہ خاص کر روایات و کرامات سے مستفیض ہوئے وہاں اپنے عصر کے حالات و کوائف سے پوری طرح آگاہ و باخبر تھے۔ اس لئے ان کے کلام میں تلمیحات و اصلاحات کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ عارفانہ شاعری میں ایسے جلال و جمال، حسن و کمال اور ہجر و وصال کے حیات آفریں نمونے شاذ و نادر ہی ملتے ہیں ؎

من آں درم کہ در بحر جلال اللہ بودستم — بکوہ طور باموسیٰ کلیم اللہ بودستم
بہ آبِ زندہ ہم بودم بہ خضرے زندہ بودستم — بہ اسکندر دراں لشکر بہ لشکر گاہ بودستم
بہ اسمٰعیل پیغمبر بہ ابراہیم بن آذر — دراں سر وقت قربانی بہ قربان گاہ بودستم

عجائب ہا کہ من دیدم کہ دیدست و ندیدستم
گہے بر تخت گہ دانم گہے بر دار خندانم

حقیقت، شریعت، طریقت کے رموز و نکات کو جس دلکش انداز میں پیش کیا ہے اس سے آپ کی فنکارانہ عظمت اور سالکانہ بصیرت آشکارا ہے۔ شعر کی زبان میں اظہار و ابلاغ کی یہ ادا دینی تبلیغ و اشاعت کے لئے بے حد موثر اور موثر ثابت ہوتی ہے ؎

اسلام من بدریائے کہ موجش آدمی خوار است
نہ کشتی اندر آں دریا نہ ملاح عجب کار است

شریعت کشتی دارد طریقت بادبان او
حقیقت لنگرے دارد کہ راہ عقل دشوار است

چو آبش جلوہ خود دیدم بتر سیدم از اں دریا
بدل گفتم چرا ترسی؟ گذر باید کہ ناچار است

ندا از حق چنیں آمد اگر از جان می ترسید؟
ہزار جان مشتاقاں دریں دریا نگوں بار است

ایا عثمان مرونڈی سخن با پردہ دار الگو
نیابے در جہاں بارے جہاں پر از اغیار است

ذکر و فکر، صبر و شکر، توکل و قناعت، اخلاص و ایثار، خلوص و محبت، معرفت و رواداری، نیکی و سچائی، صدق و صفا، امانت و سخاوت، شرافت و انسانیت، اور زہد و تقویٰ وغیرہ اوصاف انسانی ہیں جو انسان کو اشرف المخلوقات میں بلند و ممتاز درجہ بخشتے ہیں یہ صفات تصوف کے افکار و نظریات سے ہم آہنگ ہیں۔ حضرت شہباز ان خوبیوں کے عملی پیکر تھے۔ اس لئے ان کے فکر و عمل میں گداز تھا سچائی تھی اور ایک عالم کو اپنی ذات گرامی کی طرف متوجہ و مائل کرنے کی بھرپور صلاحیتیں تھیں آپ نے زندگی کے ان پہلوؤں پر عمل کرنے کی پر زور تلقین کی ہے۔ آپ کے اکثر اشعار اس قسم کی تعلیمات کی ترجمانی پوری توانائی و رعنائی سے کرتے ہیں۔

حضرت شہباز کی شاعری تمام تر حمد و نعت اور منقبت جیسی اہم اصناف پر حاوی ہے۔ اوپر غزلوں کے جو اشعار پیش کئے گئے ہیں وہ خالق کائنات اور وجود باثبات کی حمد و ثنا کے کسی نہ کسی پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔

حضور سرورِ کائنات رحمتِ عالم، محسنِ انسانیت کی نفیس والہانہ عشق اور بے پناہ عقیدت کی مظہر ہیں آپ کی ایک نعت کا یہ شعر بہت مشہور ہے ؎

کعبہ عشاق باشد روئے احمد در جہاں
صد ہزاراں روئے خوباں منزلِ مظہر گردنت

حضرت لعل قلندر شہباز عثمان مروندی قادریہ مشرب سے منسلک ہوئے کہ باوجود راہِ سلوک میں حیدر کرارؓ کی تعلیمات و تصورات کو شانِ قلندری کی معراج تصور کرتے تھے۔ تعلیماتِ مرتضویؓ کی بنیاد توحید باری تعالیٰ اور فلسفۂ فقر پر رکھی گئی تھی۔ حضرت شہباز نے فقہا کے دو جہاں بتوسط روحانیت حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ سے حاصل کیا۔ اس لئے آپ فقر اور تجرید میں عالی مرتبہ اور شانِ بلند رکھتے تھے۔ صرف یہی نہیں مشربِ فقر کے زبردست موید و مبلغ بھی تھے۔ خود فرماتے ہیں ؎

در صد جائے کہن کردم لباس فقر پوشیدم
بر آں برج کہ من بودم ہزاراں یک رسید اسیتم

حضرت شہباز نے قصیدے لکھے سلطانِ زماں یا حاکم وقت کی توصیف و تحسین میں نہیں لکھے اور نہ یہ روش ایک سالکِ دوراں کے شایانِ شان تھی۔ آپ کا قلم آپ کی زبان اللہ بزرگ و برتر کے برگزیدہ بندوں کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے وقف تھی۔ آپ نے شیرِ خدا، محبوبِ رسولؐ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں بہت پرزور و پُر تاثیر قصیدے لکھے — ان قصیدوں سے جہاں مسلکِ حیدری سے والہانہ وابستگی و شیفتگی کا اظہار ہوتا ہے وہاں آپ کی عارفانہ فضیلت، عالمانہ بصیرت اور شاعرانہ عظمت کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چھبیس۲۶ بند پر مشتمل ایک قصیدہ کے یہ چند

لے تاریخ اسلام حصہ اول مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی۔

بندہ ہدیہ قارئین ہیں ~

جام مہر علی زدہ دستم | بعد از جام خوردہ ام مستم
کمر اندر قلندری بستم | از دل پاک حیدری ہستم

حیدری ام قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علی ہستم

سر گروہ تمام رندانم | رہبر عاشقاں مستانم
ہادیٔ سالکاں عرفانم | کہ سگ کوئے شیر یزدانم

حیدری ام قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علی ہستم

وصیٔ مصطفیٰ علی است بگو | بخدا راہنما علی است بگو
سرور اولیاء علی است بگو | نور ایمان علی است بگو

حیدری ام قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علی ہستم

نہ رسد کس بہ حشمت و جاہش | من عثمان بندہ درگاہش
بوصالش بود مرا خواہش | ہر زماں است زخانم آگاہش

حیدری ام قلندرم مستم
بندۂ مرتضیٰ علی ہستم